۱۵

۱۔ مجلس شوریٰ میں تنقید کے اصول
۲۔ جماعت احمدیہ اور حکام کے تعلقات

(فرمودہ ۲۲؍اپریل ۱۹۳۸ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''میرے سامنے ایک سوال اُٹھایا گیا ہے جس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ مجھے جماعت کے سامنے اپنے خیالات کے اظہار کی ضرورت ہے تا جس جس حصہ میں کوئی نقص ہے اس کی اصلاح ہو سکے۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ مجلس شوریٰ کے موقع پر ناظروں کے کام پر جس رنگ میں تنقید کی جاتی ہے اس کے نتیجہ میں ناظروں کے کام میں رُکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور ان کا مقام جماعت کی نگاہ میں گِر جاتا ہے اور یہ کہ اِس تنقید کا موجب وہ تنقید ہوتی ہے جو کبھی میری طرف سے ناظروں کے کام پر کی جاتی ہے۔ میں اِس امر کو تسلیم کرتا ہوں کہ اگر وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں سلسلہ کے کام کی باگ ڈور ہو، اُن کی حیثیت اور مقام لوگوں کی نظروں سے گرا دیا جائے اور لوگوں میں ان کی سُبکی کر دی جائے تو کام میں دِقتیں ضرور پیدا ہوتی ہیں۔ اگر یہ امر واقعہ ہو کہ موجودہ حالات میں ناظروں کا مقام اور ان کی حیثیت اور ان کے عُہدے کا اعزاز اور اکرام کم ہو گیا ہو اور لوگوں کی نظروں میں ان کی عزت نہ رہی ہو تو اس میں شک نہیں کہ ان کو کام میں دِقتیں پیدا ہو سکتی ہیں اور ہونے کا خطرہ ہے لیکن میں سمجھتا ہوں اس سوال کے کئی حصے ہیں اور وہ

الگ الگ توجہ کے محتاج ہیں۔ پس میں انہیں علیحدہ علیحدہ لیتا ہوں۔

پہلا حصہ یہ ہے کہ خلیفۂ وقت کی تنقید خواہ وہ تربیت کیلئے ہو یا تأدیب کیلئے یا ہدایت کیلئے وہ شوریٰ کے دوسرے ممبروں کے دلوں میں تنقید کا ایسا مادہ پیدا کر دیتی ہے کہ جس کے نتیجہ میں تنقید حد سے زیادہ گزر جاتی ہے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں سے مِلتے جُلتے رہتے ہیں اور قسم قسم کے لوگوں سے باتیں کرنے کا موقع ملتا ہے وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرے متعلق دونوں قسم کی شکایتیں سُنی جاتی ہیں۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ ہمیشہ ناظروں کی پیٹھ ٹھونکتے اور ان کی حفاظت کرتے ہیں جس کی وجہ سے جماعت کا نظام درست نہیں ہوسکتا۔ ذرا کسی نے کسی ناظر پر اعتراض کیا تو انہوں نے فوراً اسے گرفت شروع کر دی۔ اور یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کی طرف سے ناظروں کا صحیح طور پر اعزاز قائم نہیں کیا جاتا اور ایسی تنقید ان کے کام پر کی جاتی ہے جس سے وہ لوگوں کی نظروں سے گر جائیں۔ اِن دونوں سوالوں کی موجودگی میں یہ ماننا پڑے گا کہ صداقت بہرحال تین میں سے ایک صورت میں ہے۔ یا تو پہلا اعتراض غلط ہوگا کہ یہ ناظروں کے مقابلہ میں جماعت کو زیادہ ڈانٹتے ہیں اور یا پھر یہ غلط ہوگا کہ جماعت کے مقابلہ میں ناظروں پر تنقید میں سختی کرتے ہیں۔ یا پھر یہ کہ دونوں ہی اعتراض غلط ہوں گے۔ یہ تین صورتیں ہی ممکن ہوسکتی ہیں ان کے سوا کوئی نہیں۔ لیکن ان تینوں صورتوں پر غور کرنے سے قبل یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ خلیفہ کا مقام کیا ہے۔ مجلس شوریٰ ہو یا صدر انجمن احمدیہ، خلیفہ کا مقام بہرحال دونوں کی سرداری کا ہے۔ انتظامی لحاظ سے وہ صدر انجمن کیلئے بھی رہنما ہے اور آئین سازی و بحث کی تعیین کے لحاظ سے وہ مجلس شوریٰ کے نمائندوں کیلئے بھی صدر اور رہنما کی حیثیت رکھتا ہے۔ جماعت کی فوج کے اگر دو حصے تسلیم کر لئے جائیں تو وہ اِس کا بھی سردار ہے اور اُس کا بھی کمانڈر ہے اور دونوں کے نقائص کا وہ ذمہ دار ہے اور دونوں کی اصلاح اس کے ذمہ واجب ہے۔ اس لحاظ سے اس کیلئے یہ نہایت ضروری ہے کہ جب کبھی وہ اپنے خیال میں کسی حصہ میں کوئی نقص دیکھے تو اس کی اصلاح کرے۔ اپنے خیال میں مَیں نے اس لئے کہا ہے کہ انسان ہمیشہ غلطی کرسکتا ہے اور خلیفہ بھی غلطی کرسکتا ہے۔ میں نے کبھی اس عقیدہ کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی یہ اسلامی عقیدہ ہے کہ

خلیفہ غلطی نہیں کرسکتا۔اور بشری انتظام میں جب نبی بھی غلطی کرسکتا ہے تو خلیفہ کی کیا حیثیت ہے۔ پس یقیناً خلیفہ بھی غلطی کرسکتا ہے۔سوال یہ نہیں کہ امکان کیا ہے بلکہ یہ ہے کہ موقع کا تقاضا کیا ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ایک باپ اپنے لڑکے کی تعلیم وتربیت کے متعلق فیصلہ کرنے میں غلطی کرجائے لیکن کیا اس غلطی کے امکان کی وجہ سے اپنے لڑکے کی تعلیم وتربیت کے متعلق انتظام کا اسے جوحق ہے وہ مارا جاتا ہے۔ساری دنیا بِالاتفاق اس بات کو مانتی ہے کہ باپ خواہ فیصلہ غلط کرے یا درست، اپنے لڑکے کی تعلیم وتربیت کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق بہرحال اُس کو ہے۔ یہی صورت خلیفہ کے بارہ میں ہے۔اس کی نسبت غلطی کا امکان منسوب کرکے اس کی ذمہ داری کو اُڑایا نہیں جاسکتا لیکن یہ ادنیٰ تمثیل ہے۔ باپ اور خلیفہ کے مقام میں کئی فرق ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ہماری شریعت کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ جسے خلیفہ بناتا ہے اُس سے ایسی اہم غلطی نہیں ہونے دیتا جو جماعت کیلئے نقصان کا موجب ہو۔گویا عصمتِ کبریٰ تو بطورحق کے انبیاء کو حاصل ہوتی ہے لیکن عصمتِ صغریٰ خلفاء کو بھی حاصل ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں وعدہ فرماتا ہے کہ جو کام خلفاء کریں گے اُس کے نتیجہ میں اسلام کا غلبہ لازمی ہوگا۔ان کے فیصلوں میں جُزئی اور معمولی غلطیاں ہوسکتی ہیں، ادنیٰ کوتاہیاں ہوسکتی ہیں مگر انجام کار نتیجہ یہی ہوگا کہ اسلام کو غلبہ اوراس کے مخالفوں کو شکست ہوگی یہ خلافت کیلئے ایک معیار قائم کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ [1] دین کے معنے مذہب کے بھی ہوتے ہیں اوراس لحاظ سے بھی دیکھ لو خلفائے اربعہ کا ہی مذہب دنیا میں قائم ہوا ہے۔ بے شک بعض علیحدہ فرقے بھی ہیں مگر وہ بہت اقلیت میں ہیں۔اکثریت اسی دین پر قائم ہے جسے خلفائے اربعہ نے پھیلایا مگر دین کے معنے سیاست وحکومت کے بھی ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جس سیاست اور پالیسی کو وہ چلائیں گے اللہ تعالیٰ اسے ہی دنیا میں قائم کرے گا اور بوجہ اس کے کہ ان کو عصمتِ صغریٰ حاصل ہے، خدا تعالیٰ کی پالیسی بھی وہی ہوگی۔ بے شک بولنے والے وہ ہوں گے، زبانیں انہی کی حرکت کریں گی، ہاتھ انہی کے چلیں گے اور پیچھے دماغ انہی کا کام کرے گا مگر دراصل ان سب کے پیچھے خدا تعالیٰ ہوگا۔کبھی ان سے جُزئیات میں غلطیاں ہوں گی،کبھی ان کے مشیر غلط مشورہ دیں گے۔

بعض دفعہ وہ اور ان کے مشیر دونوں غلطی کریں گے لیکن ان درمیانی روکوں سے گزر کر کامیابی انہیں ہی حاصل ہوگی ۔ جب تمام کڑیاں مل کر زنجیر بنیں گی وہ صحیح ہوگی اور ایسی مضبوط کہ کوئی اسے توڑ نہ سکے گا۔

پس اِس لحاظ سے خلیفۂ وقت کا یہ فرض ہے کہ جس حصہ میں بھی اسے غلطی نظر آئے اس کی اصلاح کرے۔ جہاں اس کا یہ فرض ہے کہ منتظمین اور کارکنوں کی پوزیشن قائم رکھے، وہاں یہ بھی ہے کہ جماعت کی عظمت اور اس کے مشورہ کے احترام کو بھی قائم رکھے۔ اگر جماعت کسی وقت کارکنوں کے حقوق پر حملہ کرے تو اس کا کام ہے کہ اسے پیچھے ہٹائے۔ اگر کبھی کارکن جماعت کے حقوق کو دبانا چاہیں تو خلیفہ کا فرض ہے کہ انہیں روک دے۔ مجلس شوریٰ کی گزشتہ رپورٹوں سے جو چھپی ہوئی ہیں یہ بات پوری طرح ظاہر ہوتی ہے کہ میں نے متوازی طور پر ان دونوں باتوں کا خیال رکھا ہے۔ اگر ناظروں پر جماعت نے ناواجب اعتراض کئے ہیں تو میں نے سختی کے ساتھ اور بے پرواہ ہو کر ان کے اس فعل کی قباحت کی وضاحت کی ہے اور اگر کبھی ناظروں نے جماعت کو اس کے حق سے محروم کرنا چاہا ہے تو اُن کو بھی ڈانٹا ہے۔ یہ متوازی سلسلہ جو خدا تعالیٰ نے جاری رکھا ہے، میں نے ہمیشہ اِس کا خیال رکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ اگر ایک طرف ناظروں کا احترام اور اعزاز جماعت کے دلوں میں پیدا کیا جائے تو دوسری طرف جماعت کی عظمت کو بھی قائم رکھا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اگر ایک حصہ کو چھوڑ دیا جائے تو دوسرے کی عظمت بھی قائم نہ رہ سکے گی۔ اور اگر دونوں کو چھوڑ دیا جائے تو باوجود نیک نیتی اور نیک ارادہ کے ایک حصہ دوسرے کو کھا جائے گا۔ اگر کارکنوں کے اعزاز اور احترام کا خیال نہ رکھا جائے تو نظام کا چلنا مشکل ہو جائے گا اور اگر جماعت کے حقوق کی حفاظت نہ کی جائے اور اس کی عظمت کو تباہ ہونے دیا جائے تو ایک ایسا آئین بن جائے گا جس میں خود رائی اور خودستائی غالب ہوگی اس لئے مَیں ہمیشہ اس بات کو مدنظر رکھتا ہوں کہ جس کی غلطی ہو اسے صفائی کے ساتھ کہہ دیا جائے۔ چنانچہ مجلس شوریٰ کی گزشتہ رپورٹوں سے یہ بات پوری طرح ظاہر ہوتی ہے کہ میں نے ناظروں کے اعزاز کو قائم کرنے کا پوری طرح خیال رکھا ہے۔ چنانچہ گزشتہ رپورٹوں سے ظاہر ہوگا کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ ناظر بعض جگہ گئے اور جماعت نے

لاپروائی کا ثبوت دیا تو میں نے شوریٰ میں اس پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور بتایا کہ یہ طریق صحیح نہیں۔ جب بھی کوئی ناظر بحیثیت ناظر کسی جگہ جائے تو جماعت کا فرض ہے کہ اُس کا استقبال کرے اور اُس کا مناسب اعزاز کرے۔ چنانچہ اس کے بعد جماعت میں اس کا احساس پیدا ہوا اور انہوں نے ناظروں کا مناسب اعزاز کیا۔ ابھی تو ہماری جماعت میں کوئی بڑے آدمی ہیں ہی نہیں لیکن بڑے سے بڑا آدمی بھی نظامِ سلسلہ کے لحاظ سے ناظروں کے ماتحت ہے اور جب بادشاہ ہمارے سلسلہ میں داخل ہوں تو وہ بھی ناظروں کے ماتحت ہوں گے۔ خواہ کوئی ان ناظروں میں سے کسی بادشاہ کی رعایا کا فرد ہی کیوں نہ ہو اور نظام سلسلہ کے لحاظ سے وہ اس کے ماتحت ہوگا اور اس کو اس کا ادب واحترام اسی طرح کرنا ہوگا جیسے ایک ماتحت افسر کا کرتا ہے۔ اس حقیقت کی موجودگی میں عقلاً یہ ممکن ہی کس طرح ہوسکتا ہے کہ قانون پر چلتے ہوئے کوئی شخص ناظروں کی سُبکی یا ہتک کا خیال بھی کرسکے۔

مگر اس کے مقابلہ میں جماعت کے بھی حقوق ہیں۔ مثلاً جب ناظروں سے کوئی ملے تو خواہ وہ چھوٹے سے چھوٹا کیوں نہ ہو ناظر کا فرض ہے کہ اُس کا ادب اور احترام کرے اور اگر میرے پاس یہ شکایت پہنچے کہ کوئی ناظر کسی چھوٹے آدمی کا مناسب ادب نہیں کرتا تو اُس وقت میں افرادِ جماعت کے ساتھ ہوں گا۔ یوں میرے پاس بعض شکایات آتی ہیں میں ان کی تحقیقات نہیں کراتا کیونکہ میں نصیحت کو تحقیقات سے بہتر سمجھتا ہوں پس نصیحت کر دیتا ہوں لیکن بہرحال ناظروں کا فرض ہے کہ جو لوگ ان سے ملنے آئیں ان سے عزت واحترام سے پیش آئیں۔ میں خود بھی کوئی کونے میں بیٹھنے والا شخص نہیں ہوں۔ ہر روز دس پانچ بلکہ بیس تیس اشخاص مجھ سے ملنے آتے ہیں جن میں غریب سے غریب بلکہ سائل بھی ہوتے ہیں بلکہ اکثر سائل ہوتے ہیں لیکن مَیں جیسا اعزاز بڑے سے بڑے آدمی کا کرتا ہوں ویسا ہی چھوٹے سے چھوٹے کا بھی کرتا ہوں۔ مثلاً حکومت کے عُہدہ کے لحاظ سے ہماری ہندوستان کی جماعت میں چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب سب سے بڑے عہدہ دار ہیں لیکن ان کے آنے پر بھی میں ان کا استقبال اسی طرح کرتا ہوں جس طرح ایک غریب کے آنے پر۔ اور مَیں اس بارہ میں چوہدری صاحب اور ایک غریب کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتا۔ اِسی طرح چوہدری صاحب کو کھڑا ہو کر ملتا ہوں

جس طرح ایک غریب آدمی کو اور پہلے اُسے بٹھا کر پھر خود بیٹھتا ہوں۔ بعض غریب اپنے اندازہ سے زمین پر بیٹھنا چاہتے ہیں مگر میں نہیں بیٹھنے دیتا اور اُن سے کہہ دیتا ہوں کہ جب تک آپ نہ بیٹھیں گے میں بھی کھڑا رہوں گا۔ بعض دفاتر کے چپڑاسی آتے ہیں اور وہ زمین پر بیٹھنا چاہتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ نہیں آپ چپڑاسی کی حیثیت سے نہیں بلکہ مجھے خلیفہ سمجھ کر ملنے آئے ہیں۔ غرضیکہ جب تک آنے والے کو نہ بٹھا لوں میں خود نہیں بیٹھتا۔ مجھے ملنے والوں کی تعداد ہزاروں تک ہے مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس میں کبھی تخلّف ہؤا ہو سوائے اس کے کہ میں بیمار ہوں یا کسی کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے کبھی غلطی ہو جائے۔ ہاں جلسہ سالانہ کے ایام مستثنیٰ ہیں۔ اُن دنوں میں ملنے والے اس کثرت سے آتے ہیں کہ ہر ایک کیلئے اٹھنا مشکل ہوتا ہے۔ ہاں اُن دنوں میں بھی جب کوئی غیر احمدی آئے تو چونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ میری مشکلات کو نہیں سمجھ سکتا اس کیلئے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ یا پھر اُن ایام میں جب ملاقات کا زور نہ ہو تو کھڑا ہوتا ہوں۔ یہ میرا اصول ہے اور میں سمجھتا ہوں ناظروں کو بھی ایسا کرنا چاہیئے اور اگر اس کے خلاف کبھی شکایت آئے تو میں چاہتا ہوں کہ جس کے خلاف شکایت ہو، اُسے تنبیہہ کی جائے۔ جب تک یہ بات قائم نہ ہو اسلام کی روح قائم نہیں ہو سکتی۔

ذرا غور کرو کہ خلیفہ چھوڑ نبی کا بھی کیا حق ہے کہ وہ بندوں پر حکومت کرے۔ اگر ہم مذہب اور اسلام کی روح کو سمجھتے ہیں تو اس خدمت کی روح کو بھی سمجھنا چاہیئے جس کیلئے ہم کھڑے کئے گئے ہیں۔ کیا ہمارے لئے یہ بات کم ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو ایک رُتبہ دے دیا ہے۔ وہ ہمیں ایک چھوٹا سا دنیوی کام کرنے کو دیتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اپنا مقرب بنا لیتا ہے۔ گویا اُجرت اس نے ادا کر دی پھر ہمارا کیا حق ہے کہ دونوں جگہ سے اُجرت وصول کریں۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا مزدور بھی ہوتا ہے جو دو جگہ سے اپنی اُجرت وصول کرے۔ پس جب خدا تعالیٰ ہمیں اس خدمت کی اُجرت ادا کرتا ہے تو بندوں سے کیوں لیں قرآن کریم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تُو کہہ دے کہ میں تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا[۲] یہ نہیں فرمایا کہ میں اُجرت مانگتا ہی نہیں بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم سے نہیں مانگتا۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ مجھے اُجرت خدا تعالیٰ سے مل رہی ہے۔ پس میرا فرض ہے کہ میں اس بات کا خیال رکھوں کہ

یہ اصل ہماری جماعت میں قائم ہو۔ اور اگر اس میں غلطی ہو اور میرے پاس شکایت آئے تو میں اس بات کا خیال رکھوں گا کہ غریب سے غریب آدمی کا حق بھی مارا نہ جائے اور اس بات کا خیال نہیں رکھوں گا کہ اس کا حق دلانے میں ناظر کی ہتک ہوتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا حق ہے جو بہرحال لیا جائے گا، خواہ اس میں کسی بڑے آدمی کی ہتک ہو یا چھوٹے کی۔ لیکن اس کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ کارکنوں کو جماعت میں ایک اعزاز حاصل ہے اور اگر کوئی فرد اسے نہیں سمجھتا یا ان کی طرف سے جو آواز اُٹھتی ہے اس پر کان نہیں دھرتا اور اپنی دُنیوی وجاہت کے باعث ناظر کو اپنے درجہ سے چھوٹا سمجھتا ہے تو یقیناً وہ جماعت کا مخلص فرد نہیں۔ اُس کے اندر منافقت کی رگ ہے جو اگر آج نہیں تو کل ضرور پھُوٹے گی۔

پھر ناظروں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ مجلس شوریٰ اپنے مقام کے لحاظ سے صدر انجمن پر غالب ہے۔ اس میں براہ راست اکثر جماعتوں کے نمائندے شریک ہوکر مشورہ دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابھی بیرونی ممالک کی جماعتوں کے نمائندے شریک نہیں ہوسکتے لیکن جب ان میں بھی امراء داخل ہو جائیں گے یا جماعتیں زیادہ ہو جائیں گی اور وہ اپنے نمائندوں کے سفر خرچ برداشت کرسکیں گی اور سفر کی سہولتیں میسر ہوں گی۔ مثلاً ہوائی جہازوں کی آمدورفت شروع ہو جائے گی تو اُس وقت ان ممالک کے نمائندے بھی اس میں حصہ لے سکیں گے۔ پس مجلس شوریٰ جماعت کی عام رائے کو ظاہر کرنے والی مجلس ہے اور خلیفہ اس کا بھی صدر اور رہنما ہے۔ انبیاء کو بھی اللہ تعالیٰ نے مشورہ کا حکم دیا ہے اور خلافت کے متعلق تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لَا خِلَافَةَ اِلَّا بِالْمَشْوَرَةِ [۳] خلیفہ کو یہ حق تو ہے کہ مشورہ لے کر ردّ کر دے لیکن یہ نہیں کہ لے ہی نہیں۔ مشورہ لینا بہرحال ضروری ہے اور جب وہ مشورہ لیتا ہے تو قدرتی بات ہے کہ وہ اسے ردّ اسی صورت میں کرے گا کہ جب سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میری ذمہ داری کا یہی تقاضا ہے۔ اگر وہ شریف آدمی ہے اور جب اسے خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ خلیفہ سمجھا جائے تو اس کی شرافت میں کیا شبہ ہوسکتا ہے تو وہ سوائے خاص حالات کے مشورہ کو ضرور مان لے گا۔ ہاں خاص صورتوں میں بوجہ اس کے کہ درحقیقت وہ خدا تعالیٰ کا نمائندہ ہے اگر وہ سمجھے کہ اس بات کو ماننے سے دین کو یا اس کی شان وشوکت کو کوئی خاص نقصان

پہنچتا ہے تو وہ اس مشورہ کو ردّ بھی کر دے گا مگر اس اختیار کے باوجود اسلامی نظام مشورہ اور رائے عامہ کو بہت بڑی تقویت دیتا ہے اور وہ اس طرح کہ اتنے لوگوں کی رائے کو جو پبلک میں ظاہر ہو چکی ہو کبھی کوئی شخص خواہ وہ کتنی بڑی حیثیت کا ہو معمولی طور پر ردّ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ وہ کثرتِ رائے کو اُسی وقت ردّ کر سکتا ہے جب وہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی ذمہ داری کا یہی تقاضا ہے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ اکیلے شخص کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ کثرتِ رائے کو ردّ کر دے۔ کثرتِ رائے کو ردّ یا تو پاگل کر سکتا ہے اور یا پھر وہ شخص جو سمجھتا ہے کہ اس کے پیچھے کوئی طاقت ہے جو اس کی بات کو منوا لے گی۔ پس خلفاء اُسی وقت ایسی رائے کو ردّ کر دیں گے جبکہ وہ خدا تعالیٰ کی مدد کا یقین رکھیں گے اور سمجھیں گے کہ ہم صرف خدا تعالیٰ کے منشاء کو پورا کر رہے ہیں اور جب وہ خدائی طاقت سے جماعت کے مشورہ کو ردّ کریں گے تو ان کی کامیابی یقینی ہوگی۔

غرض اسلام نے شوریٰ کے نظام سے خودسری اور خود رائی[4] کیلئے ایک بڑی روک پیدا کر دی ہے۔ پھر تربیت کے لحاظ سے بھی مشورہ ضروری ہے کیونکہ اگر مشورہ نہیں لیا جائے گا تو جماعت کے اہم امور کی طرف افراد جماعت کو توجہ نہیں ہوگی اس لئے بعد میں آنے والا خلیفہ بوجہ ناتجربہ کاری اور حالاتِ سلسلہ سے ناواقفیت کے بالکل بُدّھو ہوگا۔ یہ کسی کو کیا علم ہے کہ کون پہلے مرے گا اور کون بعد میں اور کس کے بعد کس نے خلیفہ ہونا ہے اس لئے یہ حکم شریعت نے دے دیا ہے کہ مشورہ ضرور لو تا جماعت کی تربیت ہوتی رہے اور جو بھی خلیفہ ہو وہ سیکھا سکھایا ہو اور نئے سرے سے اُس کو نہ سیکھنا پڑے۔ اس میں اور بھی بیسیوں حکمتیں ہیں مگر میں اِس وقت انہیں نہیں بیان کر رہا۔ مختصر یہ ہے کہ شوریٰ خدا تعالیٰ کی طرف سے خاص حکمت کے ماتحت ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ[5] گویا مشورہ والی انجمن کو قرآنی تائید حاصل ہے اور اس کا ذکر قرآن کریم میں کر کے اسے اہم قرار دے دیا ہے۔ گو قرآن کریم میں کارکنوں کا بھی ذکر ہے مگر شوریٰ کو ایک فضیلت دی گئی ہے اور جب جماعت کے مختلف افراد مل کر ایک مشورہ دیں اور خلیفہ اسے قبول کر لے تو وہ جماعت میں سب سے بڑی آواز ہے اور ہر خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ دیکھے جس مشورہ کو اس نے قبول کیا ہے اس پر کارکن عمل کرتے ہیں یا نہیں

اور کہ اس کی خلاف ورزی نہ ہو۔ یہ دو مختلف پہلو ہیں جنہیں نظر انداز کرنے کی وجہ سے دونوں فریق اعتراض کرتے ہیں۔ جب میں جماعت کے دوستوں کو ان کی غلطی کی وجہ سے سمجھاتا ہوں تو کہا جاتا ہے کہ ضمیر کی حریت کہاں گئی اور جب میں دیکھوں کہ ناظروں نے غلطی کی ہے اور اُن کو گرفت کروں تو بعض دفعہ اُن کو بھی شکوہ پیدا ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کام میں رکاوٹیں پیدا کی جارہی ہیں مگر مجھ پر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا فرض ہے جسے کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کرسکتا اور دراصل خلافت کے معنی ہی یہ ہیں۔

دوسرا حصہ اس سوال کا یہ ہے کہ ناظروں پر تنقید خلیفہ کی تنقید کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مجھے اس کے تسلیم کرنے سے انکار ہے۔ اگر اسی مجلس شوریٰ کو لے لیا جائے تو جس حصہ پر میں نے تنقید کی ہے اس پر میری تنقید سے پہلے بہت سی تنقید ہوچکی تھی اور میں نے جو تنقید کی وہ بعد میں تھی اور شوریٰ کے ممبر بہت سی تنقید پہلے کر چکے تھے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ناظر تنقید سے گھبراتے کیوں ہیں؟ ان کا مقام وہ نہیں کہ تنقید سے بالا سمجھا جاتا ہو۔ ہر کارکن خلیفہ نہیں کہلا سکتا۔ میرے نزدیک اس بارہ میں جماعت اور ناظر دونوں پر ذمہ داری ہے۔ جماعت کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خیال رکھیں کہ ان میں سے جو لوگ سلسلہ کیلئے اپنی زندگیوں کو وقف کر کے بیٹھے ہوئے ہیں ان کا مناسب احترام کیا جائے اور ناظروں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ جماعت کی تنقید کو ایک مخلص بھائی کے مشورہ کے طور پر سُنیں کیونکہ ان کا مقام تنقید سے بالا نہیں ہے۔ پارلیمنٹوں میں تو وزراء کو جھاڑیں پڑتی ہیں جس کی حد نہیں مگر پھر بھی وزراء کے رُعب میں فرق نہیں آتا۔ یہاں تو میں روکنے والا ہوں، مگر وہاں کوئی روکنے والا نہیں ہوتا۔ گالی گلوچ کو سپیکر روکتا ہے، سخت تنقید کو نہیں بلکہ اسے مُلک کی ترقی کیلئے ضروری سمجھا جاتا ہے پس اس تنقید سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ اگر تنقید کا کوئی پہلو غلط ہو تو ثابت کریں کہ وہ غلط ہے اور اگر وہ صحیح ہے تو بجائے گھبرانے کے اپنی اصلاح کریں۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا ثابت کرنا یا ردّ کرنا مشکل ہوتا ہے اور ان کی بنیاد ایسے باریک اصول پر ہوتی ہے کہ ان کی وجہ سے کوئی منطقی نتیجہ نکالنا قریباً ناممکن ہوتا ہے۔ مثلاً دو کمرے ایک سے ہوں اور یہ سوال ہو کہ ان میں سے کس میں بستر بچھانے چاہئیں اور کس کو بیٹھنے اُٹھنے کیلئے استعمال کرنا چاہئے تو یہ ایک ذَوقی سوال ہوگا لیکن دو شخص اگر اس پر

بحث شروع کر دیں کہ کیوں اس میں بستر بچھانا چاہئے اور دوسرے میں بیٹھنا اُٹھنا چاہئے تو یہ بحث خواہ مہینوں کرتے رہیں نتیجہ کچھ نہ ہوگا۔ تو اس قسم کی ذوقی باتوں کو چھوڑ کر باقی باتوں کو ثابت یا رڈ کیا جا سکتا ہے اور اگر اعتراض نامناسب رنگ میں ہوگا تو یا تو وہ کسی معذور کی طرف سے ہوگا جو بوجہ بڑھاپے کے یا ناتجربہ کاری یا سادگی کے ایسا کرے گا اور اس صورت میں سب محسوس کرلیں گے کہ اس شخص کے الفاظ کی کوئی قیمت نہیں اور اس کو روکنا فضول ہوگا۔ ایسی بات پر صرف مسکرا کر یا استغفار کر کے گزر جانا ہی کافی ہوگا لیکن اگر ایسا نہ ہو تو مجلس شوریٰ کی رپورٹیں اِس پر گواہ ہیں کہ میں نے نامناسب رنگ میں اعتراض کرنے والوں کو ہمیشہ سختی سے روکا ہے اور جنہوں نے غلط تنقید کی ان کو اس پر تنبیہہ کی ہے اور اگر آئندہ بھی ایسا ہوگا تو اِنْشَاءَ اللّٰہ روکوں گا۔ اگر ساری جماعت بھی غلط تنقید کرے گی تو اسے بھی روکوں گا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ڈروں گا نہیں۔ اس قسم کا لحاظ میں نے کبھی نہیں کیا کہ غلط طریق اختیار کرنے پر کسی کو تنبیہہ نہ کروں۔ ہاں اِس وجہ سے چشم پوشی کرنا کہ کام کرنے والوں سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں، اَور بات ہے۔ ایسی چشم پوشی مَیں جماعت سے بھی کرتا ہوں اور کارکنوں سے بھی۔ ورنہ میں نہ جماعت سے ڈرتا ہوں اور نہ انجمن سے۔ اور جب بھی میں نے موقع دیکھا ہے جماعت کو اس کے فرائض کی طرف توجہ دلائی ہے اور انجمن کو بھی۔

اِس سوال کا تیسرا حصہ جو پہلے سے ملتا جلتا بھی ہے اور علیحدہ سوال بھی۔ وہ یہ ہے کہ تنقید ایسے رنگ میں کی جاتی ہے کہ جس سے ناظروں کی بے رُعبی ظاہر ہوتی ہے لیکن میں اس سے بھی متفق نہیں ہوں۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کے دین کے کام کیلئے کھڑے ہوں ان کی بے رُعبی نہیں ہو سکتی۔ جب تک جماعت میں اخلاص اور ایمان باقی ہے کوئی ان کی بے رُعبی نہیں کر سکتا۔ ان کے ہاتھ میں سلسلہ کا کام ہے۔ پس جو ان کی بے رُعبی کرے گا یہ سمجھ کر کرے گا کہ اس سے سلسلہ کی بے رُعبی ہوگی اور اس کیلئے کوئی مخلص مؤمن تیار نہیں ہوسکتا۔ ہاں بعض دفعہ بعض لوگ نادانی سے ایسا کر جاتے ہیں مثلاً اس دفعہ ہی سرگودھا کے ایک دوست نے نامناسب الفاظ استعمال کئے لیکن میں بھی اور دوسرے دوست بھی محسوس کر رہے تھے کہ وہ ذمہ داری کے ساتھ یہ باتیں نہیں کر رہے۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ ان کی باتوں پر دوست بِالعموم مسکرا رہے تھے

اور سب یہ سمجھتے تھے کہ یہ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں غلط کہہ رہے ہیں اور جوش میں انہیں اپنی زبان پر قابو نہیں رہا اور ظاہر ہے کہ ایسی بات کی تردید کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے۔ چنانچہ میں نے اس کی تردید نہ کی اور میں سمجھتا ہوں تردید نہ کرنے سے لوگوں نے یہ نہیں سمجھا کہ یہ باتیں وزنی ہیں بلکہ غالب حصہ کو یہی یقین تھا کہ یہ تردید کے قابل ہی نہ تھیں۔ کیونکہ دوست خود اُن کی باتوں پر ہنس رہے تھے اور بعض کے ہنسنے کی آواز میں نے خود سُنی اور ہنسی کی وجہ یہ خیال تھا کہ انہوں نے کیا بے معنی نتیجہ نکالا ہے۔ اور جب جماعت پر ان کی بات کا اثر ہی نہ تھا اور سب سمجھ رہے تھے کہ یہ اپنی سادگی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے یہ باتیں کررہے ہیں تو ان کی تردید نہ کرنے سے نقصان کیا ہوسکتا تھا لیکن اس کے بالمقابل اسی مجلس شوریٰ میں مَیں نے ایک مثال سنائی تھی کہ ایک انجمن نے جو کسی گاؤں یا شہر کی انجمن نہ تھی بلکہ پراونشل انجمن تھی، مجھے لکھا کہ ہم نے صدر انجمن کو یہ بات لکھی ہے جو اگر اس نے نہ مانی تو اس کے ساتھ ہمارے تعلقات اچھے نہیں رہیں گے۔ میں نے انہیں لکھا کہ صدر انجمن جو کچھ کرتی ہے چونکہ وہ خلیفہ کے ماتحت ہے اس لئے خلیفہ بھی اس کا ذمہ دار ہوتا ہے اور جب آپ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کی بات نہ مانی گئی تو صدر انجمن کے ساتھ آپ کے تعلقات اچھے نہ رہ سکیں گے تو ساتھ ہی آپ نے یہ بھی سوچ لیا ہوگا کہ خلیفہ کے ساتھ بھی آپ کے تعلقات اچھے نہ رہیں گے اور اس صورت میں آپ کو نئی جماعت ہی بنانی پڑے گی، اِس جماعت میں آپ نہیں رہ سکیں گے۔ تو کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اس بات کے سننے کے بعد بھی کسی احمدی کے دل میں ناظروں کا رُعب مٹ سکتا ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ شوریٰ کے ممبروں نے ناظروں کے کام پر تنقید کو تو سُن لیا مگر یہ بات انہوں نے نہ سُنی ہوگی اور یہ بات جو میں نے ایک دو آدمیوں کو نہیں بلکہ ایک صوبہ کی انجمن کو لکھی تھی اس کے سننے کے بعد کس طرح ممکن ہے کہ ناظروں کا رُعب مٹ جائے۔

اس میں شُبہ نہیں کہ اس شوریٰ میں جرح زیادہ ہوئی ہے۔ مگر ناظروں کو بھی ٹھنڈے دل کے ساتھ یہ سوچنا چاہئے کہ ایسا کیوں ہؤا۔ ایسا اس وجہ سے نہیں ہؤا کہ میں نے بھی ان پر تنقید کی تھی۔ جب وہ چھپے گی تو ہر شخص دیکھ سکے گا کہ شوریٰ کے ممبروں نے جو جرح کی وہ میری تنقید کے نتیجہ میں نہ تھی اور حق بات یہ ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور جس کا مجھے شدید احساس ہے

کہ ناظر شوریٰ کے فیصلوں پر پوری طرح عمل نہیں کرتے اور واقعات اس بات کو پوری طرح ثابت کرتے ہیں کہ وہ ان پر خاموشی سے گزر جاتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کیا جاتا ہے کہ سال کے آخر پر ناظر اعلیٰ دوسری نظارتوں سے پوچھ لیتا ہے کہ ان فیصلوں کا کیا حال ہؤا۔ اور پھر یا تو یہ کہہ دیتا ہے کہ کوئی جواب نہیں ملا اور یا یہ کہ کوئی عمل نہیں ہؤا۔ میں یہ بھی مان لیتا ہوں کہ بعض فیصلے ناظروں کے نزدیک ناقابلِ عمل ہوتے ہیں مگر ایسے فیصلوں کو قانونی طور پر بدلوانا چاہئے۔ وہ ایسے فیصلوں کو میرے سامنے پیش کر کے مجھ سے بدلوا سکتے ہیں۔ وہ میرے سامنے پیش کر دیں میں اگر چاہوں تو دوسری شوریٰ بُلوالوں یا چاہوں تو خود ان فیصلوں کو ردّ کر دوں۔ اور پھر اگر دوسری شوریٰ میں ان پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان پر اعتراض ہو تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ فیصلہ ردّ ہو چکا ہے۔ لیکن اگر وہ فیصلہ جُوں کا تُوں قائم رہے اور پھر وہ اس پر عمل نہ کریں تو جماعت کے اندر بے انتظامی اور خودرائی کی ایسی روح پیدا ہوتی ہے جس کی موجودگی میں ہرگز کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ اگر شوریٰ میں ایک فیصلہ ہوتا ہے تو ان کا فرض ہے کہ اس پر عمل کریں اور اگر وہ اس کو قابلِ عمل نہیں سمجھتے تو اس کو منسوخ کرائیں لیکن ایسے فیصلوں کی ایک کافی تعداد ہے جن پر کوئی عمل نہیں کیا جاتا۔ مثلاً اسی شوریٰ میں ایک سوال پیدا ہؤا تھا جس سے جماعت میں جوش پیدا ہؤا۔ ۱۹۳۰ء کی شوریٰ میں فیصلہ ہؤا تھا کہ سلسلہ کے اموال پر وظائف کا جو بوجھ ہے اسے ہلکا کرنا چاہئے۔ یہ تو صحیح ہے کہ جس احمدی کے پاس روپیہ نہ ہو وہ مستحق ہے کہ اپنے بچوں کی تعلیم کیلئے انجمن سے مدد مانگے اور اگر انجمن کے پاس ہو تو اس کا فرض ہے کہ مدد کرے مگر اس طرح مدد لینے والے کا یہ بھی فرض ہے کہ جب وہ مالدار ہو جائے تو پھر اسے ادا کرے۔ ۱۹۳۰ء کی شوریٰ میں یہ فیصلہ ہؤا تھا کہ آئندہ پانچ سال میں گزشتہ تعلیمی وظائف کی رقوم وصول کی جائیں اور پھر آئندہ اسی رقم میں سے وظائف دیئے جائیں، عام آمد سے امداد نہ کی جائے اور اس کیلئے ناظر بیت المال کو ذمہ دار مقرر کیا گیا تھا۔ یہ پانچ سال ۱۹۳۵ء میں پورے ہوتے تھے اور ۱۹۳۵ء کے بعد وظائف اسی وصول شدہ رقم میں سے دیئے جانے چاہئیں تھے لیکن تین سال ہو چکے ہیں مگر وظائف برابر خزانہ سے ادا کئے جا رہے ہیں۔ شوریٰ کے ممبروں میں سے ایک کو یہ بات یاد آئی اور اُس نے اعتراض کر دیا کہ جب یہ فیصلہ ہؤا تھا تو اس پر کیا کارروائی کی گئی

اور اب وظائف گزشتہ وظائف کی وصول شدہ رقم میں سے دیئے جاتے ہیں یا سلسلہ کے خزانہ پر ہی بوجھ ہے اور اگر ایسا ہے تو کیوں؟ اب ظاہر ہے کہ اگر اس تنقید کا دروازہ بند کر دیا جائے تو سلسلہ کیوں تباہ نہ ہوگا اور اسے ناظروں کی بے رُعبی کے ڈر سے کیونکر روکا جا سکتا ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ کوئی ناظر نماز نہ پڑھے اور ہم اسے کہیں تو کہا جائے کہ اس بات سے ناظروں کی بے رُعبی ہوتی ہے لیکن میں کہوں گا کہ اس کے نہ کہنے سے سلسلہ کی بے رُعبی ہوتی ہے۔ پس یہ اعتراض روکا نہیں جا سکتا تھا اور اس کیلئے جواب دینا ضروری تھا۔

عام پارلیمنٹوں میں یہ قاعدہ ہے کہ وزراء بعض دفعہ کوئی ٹلا واں جواب دے دیتے ہیں تا اس پر مزید جرح نہ ہو سکے اور بات مخفی رہے لیکن یہاں یہ نہیں ہو سکتا۔ بحیثیت خلیفہ میرا فرض ہے کہ صحیح جواب دلواؤں۔ پہلے اس سوال کے ایسے جواب دیئے گئے جو ٹالنے والے تھے مگر آخر اصل جواب دینا پڑا کہ اس فیصلہ پر عمل نہیں کیا گیا۔ اب اگر اس میں نظارتوں کی بے رُعبی ہوئی تو اس کی ذمہ دار نظارت ہے۔ اگر اس قسم کی تنقید کو روک دیا جائے تو سلسلہ کا نظام ایسا گر جائے گا کہ اس کی کوئی قیمت نہ رہے گی۔

اس میں شک نہیں کہ بعض دفعہ شوریٰ بھی غلط فیصلے دیتی ہے۔ مثلاً اسی سال کی مجلس شوریٰ میں پہلے ایک مشورہ دیا گیا اور پھر اس کے خلاف دوسرا مشورہ دیا گیا جس کی طرف مجھے توجہ دلانی پڑی۔ تو ایسی غلطیاں مجلس شوریٰ بھی کر سکتی ہے، انجمن بھی کر سکتی ہے اور خلیفہ بھی کر سکتا ہے بلکہ بشریت سے تعلق رکھنے والے دائرہ کے اندر انبیاء بھی کر سکتے ہیں۔ جو بالکل غلطی نہیں کر سکتا وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ شوریٰ کو تنقید کا جو حق ہے وہ مار دیا جائے۔ گو شوریٰ غلطی کر سکتی ہے مگر اس سے اس کا حق باطل نہیں کیا جا سکتا۔ اور ناظر بھی غلطی کر سکتے ہیں مگر ان کے دائرہ عمل میں ان کے ماتحتوں کا فرض ہے کہ ان کی اطاعت کریں۔ ہاں جو امور شریعت کے خلاف ہوں ان میں اطاعت نہیں ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک صحابی کو ایک چھوٹے سے لشکر کا سردار بنا کر بھیجا۔ راستہ میں انہوں نے کوئی بات کہی جس پر بعض صحابہ نے عمل نہ کیا، اس پر وہ ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں پر امیر مقرر کیا ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہوا ہے کہ جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی

اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور جب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قائمقام ہوں تو تم نے میری نافرمانی کیوں کی؟ اس پر صحابہ نے کہا کہ ہم آپ کی اطاعت کریں گے۔ انہوں نے کہا اچھا میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ اطاعت کرتے ہو یا نہیں۔ چنانچہ انہوں نے آگ جلانے کا حکم دیا اور جب آگ جلنے لگی تو صحابہ سے کہا کہ اس میں کُود پڑو۔ بعض تو آمادہ ہو گئے مگر دوسروں نے اُن کو روکا اور کہا کہ اطاعت امورِ شرعی میں ہے ان کو تو شریعت کی واقفیت نہیں اس طرح آگ میں کُود کر جان دینا ناجائز ہے اور خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ خودکشی نہیں کرنی چاہئے۔ جب یہ امر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے اس میں اُن لوگوں کی تائید کی جنہوں نے کہا تھا کہ آگ میں کُودنا جائز نہیں۔[۶]

پس میں جو کہتا ہوں کہ ناظر کے دائرہ عمل میں اس کی اطاعت کرنی چاہئے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی ناظر کسی سے کہے کہ جھوٹ بولو تو اسے بولنا چاہئے۔ نظارت کے شعبہ میں جھوٹ بُلوانا شامل نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی ناظر کہے کہ کسی کو قتل کر دو تو اس میں اس کی اطاعت جائز نہیں۔ اطاعت صرف شریعت کے محدود دائرہ میں ضروری ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ غلطی ہر شخص کر سکتا ہے ممکن ہے کسی فیصلہ میں ناظر بھی غلطی کرے لیکن اس دائرہ میں اس کی غلطی کو بھی ماننا پڑے گا۔

پس خلیفہ کا فیصلہ مجلسِ شوریٰ اور نظارت کیلئے ماننا ضروری ہے۔ اسی طرح شوریٰ کے مشورہ کو سوائے استثنائی صورتوں کے تسلیم کرنا خلیفۂ وقت کیلئے ضروری ہے اور جس مشورہ کو خلیفۂ وقت نے بھی قبول کیا اور جسے شرعی احکام کے ماتحت عام حالتوں میں خلیفہ کو بھی قبول کرنا چاہئے یقیناً نظارت اس کی پابند ہے خواہ وہ غلط ہی ہو۔ ہاں اگر وہ سمجھتے ہیں کہ کسی فیصلہ کی موجودگی میں وہ کام کو نہیں چلا سکتے تو ان کو چاہئے کہ اسے پیش کر کے وقت پر منسوخ کرا لیں لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ ہر شوریٰ میں کچھ نہ کچھ شور ضرور اُٹھتا ہے کہ فلاں فیصلہ پر عمل نہیں ہوا، فلاں قانون کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، پھر ایسی باتوں پر کس طرح پردہ پڑ سکتا ہے۔ اور جب ایک نقص ظاہر ہو تو میرا فرض ہے کہ میں نظارت کو اس نقص کے دور کرنے کی طرف توجہ دلاؤں کیونکہ میں

صدر انجمن احمدیہ کا رہنما ہونے کی حیثیت میں خود بھی اس خلاف ورزی کا گو قانونی طور پر نہیں مگر اخلاقی طور پر ذمہ دار ہو جاتا ہوں۔ پس میرا فرض ہے کہ غلطی پر اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلاؤں۔

غرض ناظروں کا یہ فرض ہے کہ شوریٰ کے فیصلوں کی پابندی کریں یا پھر ان کو بدلوا لیں لیکن جب تک وہ فیصلہ قائم ہے ناظروں کا اس پر عمل کرنا ویسا ہی ضروری ہے جیسا ان کے ماتحت کلرکوں اور دوسرے کارکنوں کا ان کے احکام پر۔ اگر ناظر اس طرح کریں تو بہت سے جھگڑے مٹ جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ صدر انجمن احمدیہ کا فرض ہونا چاہئے کہ ہر شوریٰ کے معاً بعد ایک میٹنگ کر کے دیکھے کہ کونسا فیصلہ کس نظارت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور پھر اسے ناظر متعلقہ کے سپرد کرے کہ اِس پر عمل ہو اور وقت مقرر کر دیا جائے کہ اس کے اندر اندر اس فیصلہ کی تعمیل پوری طرح ہو جائے اور پھر اس مقررہ وقت پر دوسری میٹنگ کر کے دیکھے کہ عمل ہؤا ہے یا نہیں۔ اس طرح تنقید کا سلسلہ خود بخود بند ہو جائے گا اور اگر کوئی نمائندہ غلط تنقید کرے تو میرا فرض ہے کہ اسے روکوں۔ پھر بعض اوقات ناظر صحیح جواب پیش نہیں کرتے۔ اب کے ایک اعتراض بجٹ کے بروقت تیار نہ ہونے پر تھا۔ اس کا جواب صاف تھا جو آخر خانصاحب فرزند علی صاحب نے اشارۃً دیا مگر جب اس کے غلط جواب دیئے جا رہے تھے تو میں چوہدری سر ظفر اللہ خانصاحب سے کہہ رہا تھا کہ یہ صحیح جواب کیوں نہیں دیتے اس تأخیر کیلئے ذمہ وار تو میں ہوں۔ میں نے جب بجٹ کا بہت سا کام ہو چکا تھا یہ ہدایت بھجوائی تھی کہ اِس اِس طرح تخفیف کر کے بجٹ پھر تیار کیا جائے اور اس لئے تأخیر کی ذمہ داری کو قبول کرنے کیلئے مَیں تیار تھا۔ خانصاحب نے اسے بیان تو کیا مگر اشارۃً ہی۔ آخر میں نے بِالوضاحت یہ کہا کہ اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور نظارت کیلئے تو یہ امر قابلِ تعریف ہے کہ جب میں نے بڑھتے ہوئے اخراجات کو دیکھ کر اسے نئے سرے سے بجٹ تیار کرنے کو کہا تو اس نے دوبارہ محنت کی۔ ایسے حالات میں صحیح جواب اگر دے دیا جائے تو بھی تنقید کا دروازہ بند ہو جاتا ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ شوریٰ کے فیصلوں کی ناظر پوری طرح پابندی کریں۔ اگر کوئی رکاوٹ دیکھیں تو میرے سامنے پیش کریں۔ اگر میں اسے منسوخ کر دوں تو ان کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی اور اگر اس کیلئے دوسری شوریٰ بُلواؤں تو بھی ان کی

ذمہ داری ختم سمجھی جائے گی لیکن اگر ان صورتوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو ان کا فرض ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے عمل کریں۔ میں نے وظائف کے متعلق فیصلہ کی جو مثال دی ہے اس میں کوئی ایسا کام نہیں تھا جو کیا نہ جا سکتا ہو۔ ۱۹۳۵ء میں ناظر بیتُ المال کا فرض تھا کہ صورتِ حالات مجلسِ شوریٰ کے پیش کر دیتے اور جتنی رقم جمع ہوتی اُس کے متعلق کہہ دیتے کہ اتنی رقم ہے صرف اسی میں سے وظائف دیئے جائیں یا خزانہ میں سے مدد لی جائے؟ یہ اتنا معمولی کام تھا کہ جس میں کسی محنت کی ضرورت نہ تھی۔ نہ کلرکوں کی اور نہ نائب ناظر کی امداد درکار تھی۔ میں نے ہمیشہ دیکھا ہے کہ وظائف کے معاملہ میں شوریٰ کا رُجحان بند کرنے کی طرف نہیں ہوتا۔ جماعت کے دوست چونکہ عام طور پر غریب ہیں اس لئے کسی کا دوست، کسی کا رشتہ دار، کسی کا گاؤں یا شہر اور کسی کا ضلع فائدہ اُٹھا رہا ہوتا ہے اس لئے وہ ضرور یہی مشورہ دیتے کہ وظائف بند نہ کئے جائیں اور مزید روپیہ ان کیلئے منظور کر دیا جاتا اور پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر جماعت کو علم ہو جاتا ہے کہ وصولی کم ہوئی ہے تو وہ ہوشیار ہو جاتی اور نادہندوں کے خلاف کوئی مؤثر کارروائی کرنے کا مشورہ دیتی۔ بہرحال جو بھی ہوتا قانون کے مطابق ہوتا اور اس کیلئے کسی محنت کی ضرورت نہ تھی۔ صرف ایک دومنٹ میں معاملہ پیش ہی کر دینا تھا کہ اتنا روپیہ وصول ہوا ہے اور اتنے وظائف ہیں۔ اسی رقم سے وظائف دیئے جائیں یا مزید روپیہ خزانہ سے لیا جائے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے چونکہ ممبروں کا میلان وظائف جاری رکھنے کی طرف ہی ہوتا ہے اگر وہ اس طرح کرتے تو پھر بھی ہونا وہی تھا جو اَب ہوا ہے مگر وہ جائز ہوتا اور یہ ناجائز ہے اور اس طرح مسلسل قانون ٹوٹتا رہا ہے۔ وظائف کو اُڑانے کا سوال جب بھی پیدا ہوا ہے ننانوے فیصدی ممبروں نے یہی مشورہ دیا ہے کہ ہم مزید بوجھ اُٹھا لیں گے مگر ان کو بند نہ کیا جائے۔ تو اس صورت میں بھی ہونا تو وہی تھا جو اَب ہوا۔ مگر اعتراض کی صورت نہ رہتی اور شوریٰ کے فیصلہ پر عمل ہو جاتا۔ اور جب شوریٰ انجمن کی حاکم ہے تو ناظروں کا فرض ہے کہ اس کی اطاعت کریں اور اس کے فیصلوں پر عمل کریں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اس قسم کی تنقید سے جماعت کے کام میں رُوک پیدا ہوتی ہے مگر میں اس سے بھی متفق نہیں ہوں کیونکہ میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا ہوں کہ تنقید نامناسب رنگ میں

نہ ہو اور اس قسم کی تنقید کرنے والوں کو میں سختی سے روکتا ہوں۔ مثلاً فیروزپور کے دو بھائی پہلے بہت تنقید کیا کرتے تھے مگر میں نے اُن کو سختی سے روکا اور اب میں نے دیکھا ہے کہ انہوں نے بہت اصلاح کر لی ہے اور بھی بعض لوگ سخت تنقید کیا کرتے تھے مگر میرے سختی سے روکنے کا یہ اثر ہے کہ اب اعتراضات بہت سُلجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس سال کی شوریٰ میں ایک مثال ایسی ہے جو نامناسب تنقید کہلا سکتی ہے۔ مگر جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے عام طور پر دوستوں نے اُسے ہنسی میں ٹال دیا اور تردید کے قابل نہیں سمجھا۔ یہ صاحب ایک لمبے عرصہ تک قادیان نہیں آئے جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ریل میں نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ شاید ایک دفعہ کوئی ٹکر ہوگئی تھی یا کیا ہؤا کہ انہوں نے ریل میں سوار ہونا ترک کر دیا اور اِس وجہ سے کبھی قادیان بھی نہ آئے۔ اب دو تین سال سے وہ آنے لگے ہیں اور اب ان کے بڑھاپے کی عمر ہے پہلے چونکہ وہ آتے نہیں رہے اس لئے شوریٰ کی روایات سے انہیں پوری طرح واقفیت نہیں اس لئے وہ کسی وقت کوئی ایسی بات کر دیتے ہیں جو شوریٰ کے قواعد کے خلاف ہوتی ہے۔ اِس امر کو سب دوست جانتے ہیں اس دفعہ نظارت کے متعلق بعض نامناسب الفاظ انہوں نے ہی کہے تھے اور میرا یہ اثر ہے کہ جماعت پر ان الفاظ کا کوئی اثر نہ تھا۔

۲۔ جماعت احمدیہ اور بعض حکام کے تعلقات

اس کے بعد میں دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ گزشتہ سال جو واقعہ ہمارے ایک نوجوان کی نادانی سے سلسلہ کی تعلیمات کے صریح خلاف اور میرے متعدد خطبات اور تقریروں سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ہوگیا تھا یعنی اس نے ایک شخص پر جو جماعت سے خارج ہو چکا تھا حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں وہ مر گیا۔ اس کے ازالہ کیلئے میں نے یہ ضروری سمجھا کہ اس کا کفارہ ادا کیا جائے اور وہ یہ کہ اب اگر ہم پر سختی بھی ہو تو ہم اسے ایک عرصہ تک خاموشی کے ساتھ برداشت کرتے جائیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اُس زمانہ میں اُس ضلع کے جو ڈپٹی کمشنر تھے اُن کو ہماری وجہ سے بہت شرمندگی اُٹھانی پڑی۔ وہ گورنمنٹ کو ہمیشہ یہ یقین دلاتے تھے کہ اس جماعت کی طرف سے کوئی اندیشہ قانون کو ہاتھ میں لینے کا نہیں ہو سکتا اور کہ میں اس بات کا

ذمہ دار ہوں۔ اور جب ہمارے ایک نوجوان نے اِس طرح غلطی کی تو اُن کو جو دکھ ہوسکتا تھا وہ ظاہر ہے اور اس لئے میں نے سمجھا کہ ہمارا فرض ہے کہ ہم قربانی کرکے اُن کے اِس دکھ کو دور کردیں۔ چنانچہ بعض دفعہ جماعت کے حقوق تلف کئے جاتے رہے اور میں ہمیشہ جماعت سے یہی کہتا رہا کہ اپنا حق جانے دو اس لئے کہ ہم میں سے ایک شخص نے ایک ایسی غلطی کی ہے جس کا کفارہ ضروری ہے۔ غلطی خواہ جماعت کا ایک فرد ہی کرے اس میں شک نہیں کہ ہم اس کے بداثر سے باہر نہیں رہ سکتے۔ یہ صحیح ہے کہ شرعی اور اخلاقی طور پر ہم اس کے ذمہ دار نہیں لیکن اس کا بُرا اثر ہم پر ضرور پڑے گا۔ کسی کا بیٹا بدمعاش ہو تو خداتعالیٰ کے حضور یا قانون کے نزدیک اس پر ذمہ داری نہیں لیکن بدنامی سے حصہ اسے ضرور ملے گا گو اس کے تعلق سے وہ کتنا ہی بری الذمہ کیوں نہ ہو۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس حرکت کے خلاف ہم نے انتہائی نفرت کا اظہار کیا اور کرتے ہیں مگر باوجود اس کے بدنامی سے نہیں بچ سکتے اور اگر خدانخواستہ ہم میں سے پھر کوئی ایسی حرکت کرے گا تو اس کی بدنامی سے بھی سلسلہ کی بدنامی ضرور ہوگی۔ چاہے ہم لوگوں کو کتنا ہی یقین کیوں نہ دلائیں کہ ہم نے یہ کہا تھا اور وہ کہا تھا یہ گویا ایک جماعتی ورثہ ہوتا ہے جو ضرور مل کر رہتا ہے۔ ایک خاندان اگر نیک نام ہو تو اس کے کسی بدمعاش فرد پر بھی لوگ اعتبار کرلیتے ہیں لیکن اگر کوئی خاندان بدمعاش ہو تو اُس کے نیک فرد کا بھی کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ جب بدنامی آتی ہے تو جماعت کو بھی اس سے حصہ ملتا ہے جس طرح نیک نامی سے ملتا ہے۔ اس خیال کے ماتحت میں نے یہ رویہ اختیار کیا اور جماعت کو یہی مشورہ دیا کہ گورنمنٹ کی طرف سے اِن دنوں ہمارے ساتھ جو ناانصافیاں کی جائیں ان کو برداشت کرو اور اس طرح وہ موقع آنے دو جب ہماری مظلومیت بالکل واضح ہو جائے۔ اگر حکومت میرے اس طریق کی قدروقیمت کو سمجھتی تو بہت زیادہ امن قائم ہو جاتا کیونکہ میں نے اپنا رستہ چھوڑ کر اُس کی بات کو ماننے پر آمادگی کا اظہار کیا تھا اور یہ اس لئے کیا تھا کہ ہمیں اس غلطی کا خمیازہ بھگتنا چاہئے جو ہمارے ایک فرد سے ہوئی ہے۔ کانگرسیوں کی غلطی کی وجہ سے گاندھی جی چودہ روز کا بَرت رکھتے ہیں مگر ہم نے نو ماہ سے زیادہ عرصہ تک یہ بَرت رکھا ہے اور اتنا لمبا عرصہ تک ان تمام الزامات کو سُنا اور برداشت کیا ہے جو ہم پر لگائے جاتے تھے لیکن بجائے اس کے کہ گورنمنٹ اس کی قدروقیمت کو سمجھتی

اوراس کے مقابلہ میں ہمارے ساتھ صحیح تعاون کیلئے تیار ہوتی مجلسِ شوریٰ کے ایام میں بعض ایسے واقعات ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ نے ہماری اِس خاموشی اور برداشت کو بُزدلی پر محمول کیا ہے حالانکہ مؤمن کبھی بُزدل نہیں ہوتا۔ معمولی افسروں کی تو بات ہی جانے دو مجھے گورنران کونسل نے ایک ایسی چِٹھی لکھی تھی جو سراسر ناجائز تھی اور میں نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ یہ بالکل ناجائز ہے۔ میں اس کی اطاعت تو کروں گا مگر حکومت کو اس کا بدلہ ضرور بھگتنا پڑے گا۔ پس نہ تو میں بُزدل ہوں اور نہ جماعت کو بُزدل بنانا چاہتا ہوں۔ بلکہ صاف الفاظ میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ بزدل کا یہاں کام نہیں وہ ہمیں چھوڑ کر چلا جائے۔ ہمارے ساتھ وہی رہ سکتا ہے جو ہر وقت جان و مال کی قربانی کیلئے تیار ہو۔ یہ دین کا معاملہ ہے اوراس میں تمہیں اپنی جان کی قیمت اتنی بھی نہیں سمجھنی چاہئے جتنی ایک امیر آدمی کے نزدیک اُس کے پھٹے ہوئے کوٹ کی ہوسکتی ہے۔ اگر کوٹ لینے والا کوئی غریب اسے نہیں ملتا تو بھی وہ اسے گھر سے نکال کر باہر پھینک دیتا ہے تا اس کے گھر میں تو گند نہ رہے۔ پس مؤمن کو اپنی جان کی قیمت اتنی بھی نہیں سمجھنی چاہئے اور اگر خدا تعالیٰ کے دین کیلئے اسے قربان کرنا پڑے تو ذرّہ بھر پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ اب بھی میرا ارادہ نہیں کہ کوئی ایسا طریق اختیار کیا جائے جو حکومت کیلئے مشکلات پیدا کرنے کا موجب ہو لیکن میں اس کیلئے بھی تیار نہیں ہوں کہ حکومت کو ایسے طریق اختیار کرنے دوں جن سے جماعت کی ہتک اور ذلّت ہوتی ہے۔

میں نے دیکھا ہے کہ حکومت کے بعض افسر متواتر ہمارے خلاف ایسی کارروائیاں کررہے ہیں جو سراسر ناجائز ہیں۔ ہم ان کے بالا افسروں کو اس طرف توجہ دلاتے ہیں تو وہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتے ہیں اور کوئی کارروائی نہیں کرتے۔ پولیس کے بعض آدمی ہمارے خلاف مسلسل اور متواتر جھوٹی رپورٹیں کرتے رہتے ہیں اور انہیں کوئی سزا نہیں دی جاتی اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہماری جماعت نے باعزت زندگی بسر کرنی ہے اور احمدیت کے جھنڈے کو بے داغ رکھنا ہے تو وہ اس ذلّت کو برداشت نہیں کرے گی۔ بے شک میں نے اعلان کیا ہوا ہے اور ہماری تعلیم یہی ہے کہ ہم حکومت کے وفادار رہیں گے اور قانون شکنی نہیں کریں گے لیکن ایسے ذرائع ہیں کہ جن سے قانون کے اندر رہتے ہوئے بھی ہم اپنے حقوق کی

حفاظت کر سکتے ہیں اور ایسی بیسیوں تدابیر ہیں کہ قانون کی پوری پوری پابندی کرتے ہوئے بھی ہم ظالم حاکموں کے ظلم کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ پس میں جماعت کے نوجوانوں اور بوڑھوں اور مردوں اور عورتوں سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ سلسلہ کی عزت اور احترام کیلئے انہیں ہر قسم کی قربانی کیلئے تیار رہنا چاہئے۔ ان کا حق ہے کہ مجھ سے مطالبہ کریں، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حق ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے، خدا تعالیٰ کا حق ہے کہ مجھ سے مطالبہ کرے بلکہ میں کہوں گا کہ انسانیت کا بھی حق ہے کہ مجھ سے مطالبہ کرے کہ تم کو تو حکومت کے قوانین کی پابندی اور اس کی فرمانبرداری کا حکم تھا پھر تم نے کیوں اِس پر عمل نہ کیا۔ جماعت کی عزت کی حفاظت کیلئے میں جو کچھ کروں وہ جائز ہے اور اس کیلئے جس قسم کی قربانی کا میں مطالبہ کروں سلسلہ کے ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ اسے پورا کرے اور جو اس سے دریغ کرے وہ ہرگز احمدی نہیں رہ سکتا۔

میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ تم میں سے بہت ایسے ہیں کہ جب انہیں کوئی شخص گالی دے تو وہ بھی جواب میں اسے گالی دیتے ہیں گویا ان کے نزدیک ان کے نفس کی عزت اتنی ہے کہ وہ معمولی ہتک کو بھی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب سلسلہ کی قربانی کا سوال پیش ہو تو وہ لوگ گھر میں بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ اپنے نفس کی خاطر تو ہر قسم کی جانی، مالی اور عزت وعظمت کی قربانی کیلئے تیار ہو جاتے ہیں لیکن سلسلہ کی عظمت کو قائم کرنے کا سوال اگر پیدا ہو تو کیوں اُن کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہونے لگتا ہے کہ یہ بڑی قربانی ہے۔ یاد رکھو خلافت قائم ہی اس لئے ہوتی ہے کہ جماعت سے قربانیاں کرائی جائیں ورنہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ تو ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر بغیر خلافت کے بھی ادا کر سکتا ہے۔ خلافت کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ جب سلسلہ کیلئے مجموعی قربانی کا وقت آئے تو وہ کرائی جا سکے اور دنیا کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک یہ آواز بلند ہو جائے اور ہر طرف سے یہ جواب آئے کہ ہم تیار ہیں۔ اس کیلئے خواہ وطن چھوڑنے پڑیں اور خواہ جائیدادوں سے ہاتھ دھونا پڑے، مال قربان کرنا پڑے یا جان، کسی سے دریغ نہ کیا جائے۔

مَیں نے حکام کو ہمیشہ توجہ دلائی ہے کہ یہ یک طرفہ تعاون درست نہیں۔ اگر وہ ہم سے تعاون کرنا چاہتے ہیں تو انہیں ہمارے احساسات کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ بے شک ہم تھوڑے

ہیں لیکن اگر تھوڑوں کی حفاظت نہ کی جائے تو حکومتوں کا فائدہ ہی کیا ہے اور ان کی ضرورت کیا ہے۔ حکومتیں تو قائم ہی اس لئے ہوتی ہیں کہ تھوڑوں کی حفاظت کریں۔ بعض نادان افسر کہہ دیتے ہیں کہ تمہیں قادیان میں اکثریت حاصل ہے اس لئے ہم یہاں اقلیت کی حفاظت کرتے ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ اکثریت یا اقلیت کیلئے کبھی ایک ہی گاؤں کو نہیں لیا جاتا بلکہ علاقہ کو دیکھا جاتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اگر اِس تھانہ کو لیا جائے تو ہماری اکثریت ہے یا اقلیت؟ تھانہ کی آبادی دو لاکھ ہوگی جن میں احمدی صرف بارہ تیرہ ہزار ہوں گے اور یہ نہایت کمزور اقلیت ہے چہ جائیکہ اسے اکثریت ظاہر کیا جائے۔ اکثریت یا اقلیت ہمیشہ علاقہ کے لحاظ سے ہوتی ہے گاؤں کی کیا ہستی ہوتی ہے کہ اس سے اقلیت یا اکثریت کا اندازہ کیا جائے۔ مگر افسوس ہے کہ بعض افسر ہمارے ساتھ یہ کہہ کر ناانصافی کرتے ہیں کہ تم اکثریت میں ہو لیکن اب ہم اس بات کو برداشت نہیں کریں گے۔ میں وہ شخص ہوں جس نے کم سے کم تیس سال تک حکومت سے تعاون کیا ہے اور اس کیلئے ہر قسم کی ذاتی اور خاندانی اور جماعتی قربانیاں کی ہیں اور اس لئے مَیں کب یہ بات پسند کرسکتا ہوں کہ خواہ مخواہ حکومت سے لڑائی چھڑ جائے لیکن اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی کہوں گا کہ جس حکومت کی نظر اتنی کوتاہ اور کان اتنے بہرے ہوں کہ وہ کسی کی سالہا سال کی قربانیوں کو محض کسی اکثریت کو خوش کرنے کیلئے قربان کردے تو وہ بھی اِس بات کی حقدار نہیں کہ اس سے اس رنگ میں تعاون کیا جائے جس رنگ میں مَیں پہلے کرتا چلا آیا ہوں۔ تاہم چونکہ ہماری مذہبی تعلیم ہے کہ قانون شکنی نہ کرو اور قانونی حدود میں حکومت کے وفادار رہو، ہم اِس حد تک وفادار رہیں گے۔ لیکن میں جماعت کے دوستوں سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ اپنے دلوں میں اس بات کا فیصلہ کرلیں کہ اگر سلسلہ کی تذلیل کا یہ سلسلہ جاری رہا اور حکام بالا نے بھی اسے روکنے کی طرف توجہ نہ کی تو وہ اسے بند کرانے کیلئے جس قسم کی قربانیوں کا ان سے مطالبہ ہوگا ان کیلئے تیار رہیں گے۔ ہم پہلے ضلع کے حکام کو متوجہ کریں گے اور اگر وہ نہ مانے تو پھر حکامِ بالا کو توجہ دلائیں گے اور اگر انہوں نے بھی توجہ نہ کی تو قانون کے اندر رہتے ہوئے ہمیں جو ذرائع بھی اختیار کرنے پڑیں گے، کریں گے اور جو قربانیاں بھی ضروری ہوں گی اُن سے منہ نہ موڑیں گے۔ میں ہر احمدی سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اس سے دریغ نہ کرے گا لیکن اگر کوئی میرے ساتھ شامل نہ ہو

تب بھی میں چونکہ خدا تعالیٰ کے سامنے سب سے زیادہ ذمہ دار ہوں اس لئے میں خدا تعالیٰ سے کہہ دوں گا اے میرے رب! میری اپنی جان حاضر ہے اور اسے تُو جس جگہ اور جس طرح چاہے سلسلہ کی عزت کی حفاظت کیلئے قربان کرنے کو تیار ہوں۔

اس کے علاوہ میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی طبیعتوں میں سے غصہ کو دور کرو اور مظلوم بنو۔ کسی کے ساتھ خواہ وہ کتنا کمزور سے کمزور کیوں نہ ہو، ظلم نہ کرو۔ اور یاد رکھو کہ کمزور کا مقابلہ کرنا بہادری نہیں۔ ہمارا مطالبہ حکومت سے ہے ورنہ افراد کے لحاظ سے تم قادیان کو اتنا امن والا مقام بنادو کہ یہاں ذلیل سے ذلیل آدمی بھی اپنے آپ کو معزز ترین وجود سمجھے اور اپنے آپ کو ہر لحاظ سے محفوظ محسوس کرے۔ کسی کی گالیوں سے غصہ میں نہ آؤ، کوئی خواہ تمہارا کتنا نقصان کردے، خواہ تمہیں مارے مگر اسے برداشت کرو لیکن حکومت طاقتور ہے اس سے اس قسم کا سلوک برداشت نہ کرو۔ شریف آدمی وہ ہے جو اپنے تابع کی بے انصافی کو تو برداشت کر لیتا ہے مگر جو غالب ہو اُس سے اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہے۔ پس میں جہاں جماعت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اپنے نفسوں کو قربانیوں کیلئے تیار کرو وہاں یہ بھی کہتا ہوں کہ یہ مت سمجھو کہ تم تھوڑے ہو کیونکہ جو خدا تعالیٰ کیلئے کھڑا ہو وہ اکیلا بھی بہت ہوتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں یہ واقعہ صحیح ہے یا نہیں مگر تاریخی لحاظ سے گو صحیح نہ ہو لیکن واقعات کے لحاظ سے ضرور صحیح ہے۔ کہتے ہیں کہ نمرود بڑا بادشاہ تھا مگر اُس کی ناک میں مچھر گُھس گیا اور اندر گھر بنالیا اور اس سے اُس کی موت واقع ہوگئی۔ اس کے سر میں کھجلی ہوتی اور جُوتیاں مارتے تھے تو آرام ہوتا تھا۔ یہ صحیح ہو یا نہ ہو مگر کیا تم نہیں دیکھتے کہ کتنے پہلوانوں کو مچھر کاٹتا ہے اور وہ ملیریا میں مبتلا ہو کر مر جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ تو مچھروں سے بھی بڑے بڑوں کو نیچے گرا دیتا ہے۔

جماعت کے دوستوں کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ مخالف اقوام کی طرف سے ہر قسم کی باتیں سن لو اور برداشت کرو لیکن حکومت سے مطالبہ کرو کہ ہمارے ساتھ جو سلوک وہ کرتی ہے وہی ہمارے مخالفوں سے کرے اور اپنے افسروں کو ایسے احکام صادر کرنے سے روکے جو محض حکومت جتانے کیلئے کئے جاتے ہیں اور جو انصاف کے بالکل خلاف ہوتے ہیں۔ ورنہ ہم ایسی باتوں کا ازالہ ضرور کرا کر چھوڑیں گے، خواہ عدالتوں کے ذریعہ سے کرائیں اور خواہ

ایسی ایجی ٹیشن کے ذریعہ جس کی قانون اجازت دیتا ہے۔

میں پھر جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ سلسلہ کی عزت کے تحفظ کیلئے ہر قسم کی قربانی کیلئے تیار ہو جائے۔ ہمت کرنے والا ہمت کرتا ہے تو اس میں کامیابی بھی ہو جاتی ہے۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ جماعت قادیان نے صوفی عبدالقدیر صاحب کی ماتحتی میں جن کو ملک میں کوئی خاص سیاسی یا تمدنی پوزیشن حاصل نہ تھی اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ اس طرح ہم ظلم برداشت نہیں کر سکتے اور حکومت کو اتنے دن کی مُہلت دیتے ہیں کہ وہ اس عرصہ کے اندر اس کا ازالہ کر دے ورنہ ہم اپنی قربانیوں کے ذریعہ اس کا ازالہ کرائیں گے۔ تو حکومت کا ایک خاص پیغامبر گورداسپور آیا اور وہاں سے راتوں رات حکومت کا جواب یہاں پہنچایا گیا کہ آپ کی شکایات پہنچ چکی ہیں اور ان کی طرف توجہ کی جارہی ہے۔ تو جب قوم قربانی کیلئے تیار ہو جائے تو حکومت بھی اُس کی بات ماننے پر مجبور ہو جاتی ہے کیونکہ حکومتیں پبلک کے ساتھ بگاڑ پیدا نہیں کیا کرتیں اگر وہ ایسا کریں تو چل نہیں سکتیں۔ اور جب کسی قوم کو خود اپنے حقوق کی حفاظت کا خیال نہ ہو تو حکومت بھی خاموش رہتی ہے۔ بعض اوقات حکومت کی نیت تو اچھی ہوتی ہے مگر وہ اس خیال سے کہ اکثریت کو بگاڑ کر فساد کیوں پیدا کریں، اقلیت کو تھپکا کر سُلانے کی کوشش کرتی ہے لیکن ہم یہ نہیں ہونے دیں گے۔ اسے یا تو ہمارا حق دینا پڑے گا یا کہنا پڑے گا کہ تم ہماری رعایا نہیں ہو۔ اس صورت میں پھر مذہب اور قانون کے ماتحت جو کچھ ہم سے اپنی عزت کی حفاظت کیلئے ہو سکے گا کریں گے۔

حکومتوں کو ہمیشہ یا تو انصاف دینا پڑتا ہے اور یا پھر وہ بدنام ہو جایا کرتی ہیں اور بدنامی حکومت کیلئے ہی نقصان کا موجب ہؤا کرتی ہے افراد کیلئے نہیں۔ ہم گو عدمِ تعاون وغیرہ اصول کے قائل نہیں مگر قانون کے اندر رہتے ہوئے ایسے ذرائع اختیار کر سکتے ہیں کہ جن سے حکومت ہماری عزت کی حفاظت پر مجبور ہو جائے اور اپنی عزت کی حفاظت کیلئے ہماری عزت پر ہاتھ ڈالنا چھوڑ دے۔ ہماری جماعتیں خدا تعالیٰ کے فضل سے دنیا کے کونہ کونہ میں ہیں اور وہ ہر جگہ انگریزوں کی تعریف کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ مرکز والے کہتے ہیں کہ انگریزوں کی حکومت اچھی ہے۔ امریکہ، جرمنی، چین، جاپان، سماٹرا، جاوا وغیرہ ممالک میں ہماری جماعتیں ہیں اور اِس

رنگ میں ہر جگہ ہی انگریزی حکومت کو ان سے فائدہ پہنچا ہے کیونکہ ہم انگریزوں کے انصاف کی تعریف کرتے تھے تو وہ بھی قدرتاً ان باتوں کو دُہراتے تھے لیکن حکومت کا یہ رویہ نہ بدلا تو لازماً آئندہ احمدیوں کے منہ پر کم سے کم ہندوستانی حکومت کی بُرائی ہوگی تعریف نہ ہوگی اور اِس کا اثر دوسرے مُلکوں پر بھی پڑے گا کیونکہ ہماری جماعت اس وقت سب دنیا میں خدا تعالیٰ کے فضل سے پھیل چکی ہے اور اگر ہم اور کچھ بھی نہ کریں تو بھی صرف یہ امر حکومت کی بدیوں سے دنیا کو واقف کرنے کیلئے کافی ہوگا اور وہ اس سزا کی عظمت کو محسوس کرے گی۔ علاوہ ازیں ایک اَور صورت بھی ہے۔ ہم اگر گزشتہ واقعات کو لکھ کر مُلک میں پھیلا دیں اور لوگوں کو یہ بتائیں کہ اس اس طرح ہمارے خلاف ہمارے دشمن کارروائیاں کرتے رہے یا بعض حکام یا ماتحت اظہارِ عداوت کرتے رہے ہیں لیکن باوجود وقت پر مقامی حکام کو توجہ دلانے کے اور پھر بالا حکام کو توجہ دلانے کے کوئی تدارک نہیں ہوا۔ اس کے مقابلہ میں ہمارے بعض افراد پر دشمنوں نے غلط الزامات لگائے تو ان پر فوراً کارروائی کی گئی اور جواب طلبیاں یا قانونی کارروائیاں شروع ہوگئیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ ہمارے ساتھ ناانصافی کی جاتی ہے اور ہمارے مخالفوں سے جنبہ داری کا برتاؤ کیا جاتا ہے تو یہی ترکیب حکومت کو ہوش میں لانے کیلئے کافی ہے بلکہ ساری دنیا تو کُجا اگر صرف ہندوستان بلکہ پنجاب میں ہی ایسا کریں تو تمام انصاف پسند لوگ حکومت کو ملامت کریں گے۔ دراصل انسانی فطرت کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ جب اس پر صحیح الزام لگایا جائے تو وہ ضرور شرمندہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غریب کو بچانے کیلئے یہ مادہ انسان کی فطرت میں رکھ دیا ہے کہ بڑے سے بڑے بادشاہ پر بھی جب سچا اعتراض کیا جاتا ہے تو وہ کانپ اُٹھتا ہے اور اس طرح غریب کے حق کی دادرسی ہو جاتی ہے تو ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے علاج حکام کی ضمیروں میں پوشیدہ طور پر رکھ دیا ہوا ہے۔ ہمیں نہ فتنہ وفساد کی ضرورت ہے نہ عدمِ تعاون کی۔

پچھلے دنوں جب حکومت کے بعض افسروں نے ہمارے متعلق یہ کہنا شروع کیا کہ یہ حکومت کے غدار ہیں تو ہم نے اس کے متعلق ولایت میں اُن پُرانے افسروں کے پاس ذکر کیا جو ہمیں جانتے اور ہم سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اِس پر پارلیمنٹ کے بعض ممبروں نے وزراء سے

سوال کیے اور انہوں نے یہاں دریافت کرایا تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں ہم تو انہیں بڑا وفادار سمجھتے ہیں۔غرض اللہ تعالیٰ نے انسانی دماغ میں ایسا مادہ رکھا ہے کہ وہ غریب اور کمزور کی حفاظت پر مجبور ہوتا ہے۔ضرورت صرف عقل سے کام کرنے کی ہوتی ہے اور اس بات کی کہ انسان اپنے نفس پر قابو رکھے اور اپنی مظلومیت کو ثابت کر سکے۔اگر کوئی شخص کسی کو دس جُوتیاں مارتا ہے اور وہ اسے برداشت کر لیتا ہے لیکن جب وہ گیارہویں مارنے لگے تو یہ بھی ایک اُسے مار دے۔تو جنہوں نے پہلا حال نہ دیکھا ہو اور بعد میں پہنچے ہوں وہ یہی کہیں گے کہ دونوں لڑ رہے تھے۔وہ اسے مارتا تھا اور یہ اسے۔لیکن جو گیارہویں ضرب بھی برداشت کر لے اُس کے ساتھ ہر کوئی ہمدردی کا اظہار کرے گا اور کہے گا کہ اس نے ہاتھ نہیں اُٹھایا۔پس یاد رکھو کہ مظلومیت اپنی ذات میں بڑا حملہ ہے اور یہ خود ظالم کا ہاتھ کاٹنے کیلئے کافی ہے۔اگر تم میرے ساتھ ان دو باتوں میں تعاون کرو یعنی میری ہدایات پر عمل کرتے ہوئے قربانیوں کیلئے تیار ہو جاؤ اور انتہائی مظلومیت اور قانون کی اطاعت کو برداشت کر لو تو تمہاری عزت دنیا میں اِس طرح قائم ہو جائے گی کہ جو لوگ تمہیں ذلیل کرنا چاہتے ہیں وہ نامراد ہوں گے اور تم اپنی آنکھوں سے اُن کو شکست خوردہ اور میدان سے بھاگتے ہوئے دیکھ لوگے۔

پھر میری نصیحت تم کو یہی ہے کہ ایک طرف تو انتہائی قربانی کیلئے تیار ہو جاؤ اور دوسری طرف ظالم بننے کی بجائے مظلوم بنو۔قادیان میں خواہ کسی قوم کا ایک ہی فرد رہتا ہو وہ یہی سمجھے کہ میں بہت بڑا ہوں اور یہ لوگ میرے سامنے حقیر ہیں۔تم اپنے آپ کو بڑا امت سمجھو،تمہاری ابھی دُنیوی لحاظ سے ہستی ہی کیا ہے۔سکھ صرف چالیس لاکھ ہیں لیکن حکومت ان سے ڈرتی ہے۔احمدی اگر بیس لاکھ بھی ہوں تو ان کی عزت ظالم حکام سے بھی اور ظالم رعایا سے بھی محفوظ ہو جائے اور کسی کو جرأت نہ ہو کہ ان کو ترچھی نگاہ سے بھی دیکھ سکے لیکن ابھی جماعت بہت کم ہے جس کی وجہ سے جو حکام اخلاقی زور سے نہیں بلکہ پولیس کے زور سے حکومت کرنے کے عادی ہیں جماعت کے حقوق کو نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن اس قلیل جمعیت کے باوجود اگر جماعت میں سچی روح ہو تو یہ ممکن نہیں کہ حکومت کے افسر جماعت کو ڈرا لیں۔مؤمن کبھی کسی سے بھی نہیں ڈرتا ہاں ایک صورت ہے جس سے حکومت اپنا مطلب پورا کر سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر

کسی وقت اس کے راستہ میں دِقتیں ہوں تو ہم کو حالات بتا کر ہم سے تعاون کی درخواست کرے۔ اس صورت میں بالکل ممکن ہے کہ ہم اپنے حقوق کو خود خوشی سے چھوڑ دیں۔ اگر تو کوئی افسر ہمیں یوں کہے کہ ہم مانتے ہیں فلاں قوم نے یا فلاں شخص نے تم پر ظلم کیا ہے مگر چونکہ ہمارے لئے انتظام کرنا مشکل ہوگا اس لئے تم معاف کردو، تو ہم یقیناً معاف کردیں گے لیکن اس کی بجائے وہ ظالم کے بچاؤ کیلئے دلائل دینے لگتے ہیں اور ہم پر اعتراض کرنے لگتے ہیں جسے برداشت کرنے کیلئے ہم تیار نہیں ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم مظلوم بھی ہوں اور حکام محض بُزدلی سے اور احرار یا دوسری قوموں سے ڈر کر ہمارے حقوق تلف کریں اور پھر اپنی اس کمزوری کو چھپانے کیلئے ہمیں ہی غلطی پر قرار دیں اور ہم اس کو برداشت کرلیں۔ ایسی صورت میں ہمارا فرض ہے کہ مُلکی قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے جو تدبیر بھی اِس سختی کو دور کرنے کیلئے اختیار کرسکیں کریں۔

غرض حکومت کو یا تو انصاف کرنا پڑے گا اور یا ہماری مظلومیت کو تسلیم کرکے ہم سے خواہش کرنی پڑے گی کہ ہم اُس کی مشکلات کو دیکھتے ہوئے اپنے حق کا مطالبہ نہ کریں لیکن اگر وہ ایسا نہ کریں تو میں جیسا کہ پہلے بھی کہہ آیا ہوں ہماری جماعت کو دو باتیں کرنی پڑیں گی۔ ایک تو یہ کہ وہ قربانی کیلئے تیار ہو جائے اور دوسرے یہ کہ وہ اپنے اخلاق کی اصلاح کرے اور قانون کی اطاعت پر پہلے سے بھی زیادہ کاربند ہو۔ انہیں چاہئے کہ وہ ہر قسم کے ظلم کو کُلّی طور پر چھوڑ دیں اور اپنے نفس کی عزت کا خیال دل سے نکال دیں۔ ان کی عزت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت سے زیادہ نہیں۔ آپ پر مکہ میں جسے خدا تعالیٰ نے امن والا شہر بنایا ہے اور جہاں تمام مشرک اور بُت پرست بھی آزادی کے ساتھ رہتے سہتے تھے، عین خانہ کعبہ میں جب آپ نماز پڑھ رہے تھے اور سجدہ میں تھے بعض شریر مخالفوں نے اونٹ کی گوبر سے بھری ہوئی اوجھڑی لاکر آپ کے سر پر رکھ دی۔ [۷] اِنہیں سوچنا چاہئے کہ کیا ہماری عزت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ ہے۔ اگر ہمارا آقا اور سردار ان باتوں کو برداشت کرلیتا تھا تو ہمیں اس سے کئی گُنا زیادہ مصائب برداشت کرنے چاہئیں۔ پس جب تمہاری ذلت ہو تو اسے برداشت کرو اور جب تم پر ظلم ہو تو خاموش رہو۔ ہاں صرف ایک بات کو مدنظر رکھو اور وہ یہ کہ جہاں سلسلہ کی عزت کا سوال ہو اُس وقت ہر جائز قربانی کرنے کیلئے تیار رہو۔ اور جب تم ان دو باتوں

کے لئے تیار ہو جاؤ گے یعنی ظلم سہنے اور قربانی کرنے کیلئے تو یاد رکھو کہ یہ وہ موت ہوگی جس کے بعد پھر موت نہیں آیا کرتی۔" (الفضل ۲۷؍اپریل ۱۹۳۸ء)

۱؎ النور:۵۶

۲؎ قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا (الشوریٰ:۲۴)

۳؎ کنز العمال جلد۵ صفحہ ۶۴۸ مطبوعہ حلب ۱۹۷۱ء میں "لَا خِلَافَةَ اِلَّا عَنْ مَشُوْرَةٍ" کے الفاظ ہیں۔

۴؎ **خودرائی:** خودسری۔ سرکشی۔ اپنی مرضی کے مطابق کوئی کام کرنا۔

۵؎ الشوریٰ:۳۹

۶؎ بخاری کتاب الاحکام باب السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِلْاِمَامِ (الخ)

۷؎ بخاری کتاب الصلٰوۃ باب الْمَرْأَةُ تَطْرَحُ عنِ المصلیّٰ (الخ)